ابنِ خلدون کا نظریۂ تعلیم

محمد طفیل

ابن خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ چھٹے اور آخری باب کو اس نے معاشرہ کے تعلیمی مسائل کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اور یہی باب اس کے تعلیمی نظریات کا اہم ترین ماخذ ہے۔ تاہم انھوں نے اپنے مقدمہ کے دیگر ابواب نیز اپنی تاریخ عالم میں معاشرتی مسئلہ کی حیثیت سے تعلیم پر بحث کی ہے اور وہ جہاں بھی معاشرہ کے نقائص یا خوبیاں بیان کرتے ہیں یا کسی اہم ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہیں، وہاں وہ تعلیم اور اس سے متعلقہ مسائل کا تجزیہ کرتا چلا جاتا ہے۔

چنانچہ فلسفہ تاریخ و اجتماع کا یہ بانی زندگی اور تعلیم کا افادی پہلو سے جائزہ لیتا ہے اور فلسفیانہ صغریٰ کبریٰ سے یہ نتیجہ نکالتا ہے: "ہر انسان کو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرے۔ حرفتی معلومات حاصل کرنے سے پہلے اس کے لئے ضروری ہے کہ تھوڑی بہت عام تعلیم حاصل کرے تاکہ وہ مطلوبہ حرفہ کے بارے میں معلومات جمع کر سکے۔ لہذا انسان کے لئے تعلیم ناگزیر ہے"۔ ابن خلدون نے تعلیم کو اہم معاشرتی ضرورت اور تعلیم کا سب سے بڑا فائدہ حصول ملکہ قرار دیا۔ اپنی عملی زندگی میں آج جب ہم ابن خلدون کے اس نظریہ کا جائزہ لیتے ہیں تو اس ترقی یافتہ، تکنیکی اور سائنٹیفک دور میں اس نظریہ نے عملی صورت اختیار کر لی ہے۔ اگر آپ دنیا کی کسی بھی جامعہ کے نصاب تعلیم پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فنی یا صنعتی تعلیم کے آغاز سے پیشتر طالب علم کے لئے لازمی ہے کہ وہ ایک خاص حد تک عام تعلیم حاصل کرے۔

مقدمہ ابن خلدون کی تعلیمی بحثوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے تعلیم کی کوئی خاص تعریف بیان نہیں کی۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مسلم معاشرہ میں تعلیم کا تصور و مقصد

اس قدر متعین تھا کہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ دراسات[۲] کا مصنف لکھتا ہے": ابن خلدون تعلیم و تربیت کی تعریف بیان نہیں کرتا بلکہ وہ اس موضوع سے اس طرح بحث کرتا ہے۔ گویا وہ ایک جانے پہچانے موضوع پر گفتگو کر رہا ہے۔ لہٰذا تعریف کی چنداں ضرورت نہیں"۔ لیکن یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس نے تعلیم کی تعریف اور اس کی حدود کا تعین کئے بغیر ہی اس پر قلم اٹھایا۔ ابن خلدون تعلیم[۳] کو باقاعدہ ایک صنعت قرار دیتے ہیں اور صنعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:" جان[۴] لو کہ صنعت ایک ملکہ ہے جس کا تعلق فکری اور علمی امور سے ہوتا ہے۔" گویا ابن خلدون حکیمانہ انداز میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسانی ذہن و شعور میں مشاہدات کے مطابق نظریات جنم لیتے ہیں اور جب انہیں نظریات کو تجربات کی کسوٹی پر پرکھ کر کھرا قرار دے دیا جاتا ہے تو وہ عملیات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہی عملیات تکرار سے ملکہ کا موجب بنتے ہیں اور انسان کے مشاہدات کو نظریات میں ڈھالتے رہنے سے جدید علوم معرض وجود میں آتے رہتے ہیں۔

تعلیم کو صنعت قرار دے کر بالواسطہ ابن خلدون یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تعلیم ایک اکتسابی ملکہ ہے۔ اور انسان نہ صرف اپنی محنت و کوشش سے اسے حاصل کر سکتا ہے بلکہ حسب خواہش اس میں اضافہ بھی کر سکتا ہے۔ اور چونکہ ہر انسان کو مشاہدہ کی قوتیں فطرتاً ودیعت ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر انسان تعلیم کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے وہ اس فلسفہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ علم کسی خاص قوم، نسل یا خطہ کی میراث نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے ہر شخص اپنی محنت و کاوش سے حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لئے[۵] ابن خلدون نے صنعت کی ترقی و تنزل کے جملہ اصول فطرت کو تعلیم کے عروج و زوال پر منطبق کیا ہے۔ اور" تعلیم الصنائع"،" تعلیم العلوم" اور" تعلیم اللغہ" جیسے عنوانات قائم کر کے اس نے تعلیم کے تعلق سے جن امور پر بحث کی ہے، انہیں ذیلی عنوانات میں اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

۱- نفسیاتی افکار

ابن خلدون نے انسانی معاشرے کا ایک حکیم اور مدبر کی حیثیت سے گہرا مطالعہ کیا اور جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کے معاشرتی نقائص و مضرات کو طشت از بام کرتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسائل تعلیم پر قلم اٹھاتے وقت انسانی معاشرے کی نفسیات کا ابن خلدون نے بنظر غائر مطالعہ کیا اور

اس وقت کے مروجہ نظام ہائے تعلیم کے نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اور درجِ ذیل اصول نفسیات کو وضاحت سے بیان کیا۔

ا۔ تعلیم میں صحیح مہارت جسے وہ ملکہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے، حضری[6] (یعنی شہری) زندگی بسر کرنے والوں کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ البتہ بدوی جو جفاکش اور بلا کے محنتی ہوتے ہیں، یہ مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ شہری لوگ مختلف زبانیں بولنے کی وجہ سے کسی بھی زبان کو اپنی صحیح حالت میں باقی نہیں رکھ سکتے بلکہ زبانوں کے امتزاج اور اثر و نفوذ کے نتیجہ میں اصل زبان آہستہ آہستہ مفقود ہوتی رہتی ہے۔ زبان دانی اس کے نزدیک بہر حال اکتسابی فن ہے اور شہریوں کی نسبت دیہاتی باشندے جد و جہد اور اکتساب میں سبقت رکھتے ہیں۔ اسی لئے وہ نہ صرف علوم کو ان کی اصلی وضع کے ساتھ قائم رکھتے ہیں، بلکہ ملکہ بھی انہیں کو حاصل ہوتا ہے۔

ابن خلدون شہری اور دیہاتی آبادی میں تعلیمی نفسیات کی رُو سے یہ واضح خط کھینچ دینا چاہتے ہیں کہ دیہاتی لوگوں کا علم ٹھوس، مکمل اور حقیقی ہوتا ہے۔ اور وہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہتے ہیں۔ جبکہ شہری باشندے اس صفت سے عاری ہوتے ہیں۔ ابن خلدون کے اس نظریہ کی روشنی میں آج جب ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں تو اسے مبنی بر حقیقت پاتے ہیں۔ ہمارے ملک کی اکثریت دیہات میں آباد ہے۔ اور تعلیمی نتائج کی فہرست میں بھی دیہاتی طلبہ سرِ فہرست ہی نظر آتے ہیں۔ اور عملی میدان میں بھی ان کی صلاحیتیں اور ترقیاں حوصلہ افزا اور قابل قدر ہیں۔

ب :۔ ابن خلدون نے تعلیمی نفسیات کے ضمن میں جو دوسرا اہم نقطہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رٹائی کرنا نہایت مضر ہے۔ کیونکہ اولاً طوطے کی طرح رٹا ہوا علم وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھنے کی وجہ سے دیرپا نہیں ہوتا۔ ثانیاً رٹائی کرنے سے انسان کی تخلیقی قوتیں اور قوائے فکریہ مفلوج ہوکر رہ جاتی ہیں[7] جبکہ اس کے نزدیک تعلیم کے حصول کا اصل مقصد تخلیقی قوتوں کا اجاگر کرنا ہے۔ اور اسی کا نام ملکہ ہے۔ جو رٹائی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مسلم مفکرین تعلیم میں ابن خلدون نے اس نظریہ کو سب سے پہلے پیش کیا اور آج یہی نظریہ مسائل تعلیم کا اہم ترین جز قرار پاگیا ہے۔

ج :۔ ابن خلدون نے تعلیم کو اجتماعی اور معاشرتی حیثیت دینے کے لئے تعلیمی سفر پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان زندگی کے نشیب و فراز سے آگہی پاتا ہے۔ اس نے لکھا ہے[8] کہ

حصولِ علم کبھی تو لکھنے پڑھنے سے ہوتا ہے اور کبھی گفتگو اور باہمی میل ملاپ سے، اور ماہرینِ فن اساتذہ سے حاصل کیا ہوا علم مستحکم اور وسیع ہوتا ہے۔ اور طالب علم جب ایک ہی مضمون مختلف اساتذہ سے پڑھتا اور ان سے تبادلۂ خیال کرتا ہے، تو اسے اچھے بُرے کی تمیز کے ساتھ اس مضمون پر ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ صورت سفر کے بغیر میسّر نہیں آسکتی۔ کیونکہ عموماً ہر طالب علم کے آبائی وطن یا شہر میں اساتذہ کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ان میں بھی ماہرینِ فن شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا دیگر ماہرینِ فن کی طرف رجوع کرنے کے لئے تعلیمی سفر ناگزیر ہے۔

د۔ طلباء پر سختی کا مسئلہ ماہرینِ تعلیم اور ماہرینِ نفسیات کے مابین موضوع بحث رہا ہے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد اب اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ طلبہ کو جو بات شفقت و محبت سے ذہن نشین کرائی جا سکتی ہے وہ مار پیٹ اور تشدد سے نہیں۔ لیکن ابن خلدون نے آج سے صدیوں پہلے اس مسئلہ کی نشان دہی کر دی تھی۔ اور بڑی تفصیل سے سزا کے مضر اثرات کو بیان کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے[9] سزا کا اثر چھوٹے اور بڑے دونوں ذہنوں پر مرتب ہوتا ہے۔ جن قوموں میں سزا دینے کا رواج ہے۔ ان کا کردار و اخلاق نہایت پست ہوتا ہے۔ بچوں کو سزا دینے سے ان کی ذہنی قوتیں انحطاط پذیر ہو جاتی ہیں۔ ان کے فطری جذبات، غور و فکر اور اختراع کا مادہ دب کر رہ جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بچے طرح طرح کی غیر اخلاقی برائیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان میں جھوٹ بولنے، حقائق کو چھپانے، بہانے بنانے اور کام سے جی چرانے جیسی قبیح عادات جنم لے کر پروان چڑھتی ہیں۔ جس سے آئندہ نسلیں اور موجودہ فرد و قوم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ابن خلدون چونکہ اجتماعی نقطۂ نظر سے مسائل کا جائزہ لیتا ہے۔ اس لئے اس نے سزا دینے کی معاشرتی اہمیت کو دیگر مسلم مفکرینِ تعلیم کی طرح یکسر نظر انداز نہیں کیا بلکہ وہ اس میں حتی الوسع کمی کرنے کا حامی ہے۔ چنانچہ اس نے محمد بن ابی زید کا قول نقل[10] کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"محمد بن ابی زید نے طلبہ اور اساتذہ کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب استاذ کو ناگزیر وجوہ کی بنا پر سزا دینے کی ضرورت درپیش ہو تو اسے تین بید سے زیادہ ہرگز نہیں مارنے چاہئیں۔

۲۔ نصابی اصلاحات

ابن خلدون نے اپنی زندگی میں مختلف ممالک کا طویل سفر کیا اور ہر ملک کے نظم و نسق، سیاسی

حالات، معاشرتی رجحانات اور تعلیمی سرگرمیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ چنانچہ جب اس نے مقدمہ میں تعلیمی امور پر قلم اٹھایا تو اس نے مختلف ممالک کے مروجہ نصاب ہائے تعلیم کا تقابلی جائزہ پیش کیا۔ اور ان کی خامیوں کی نشان دہی کر کے ان کی اصلاح کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کیں۔

۱۔ نصاب تعلیم :۔ ابن خلدون[۱۱] نے پہلے مرحلہ میں علوم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ۔ علوم عقلیہ سے وہ ایسے علوم مراد لیتا ہے جو انسانی فکر و عقل کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں اور انسان ان میں کسی خارجی دلالت کے بغیر نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ ان میں وہ فلسفہ اور حکمت کے علوم داخل کرتا ہے۔ اور نقلی علوم سے مراد وہ علوم ہیں، جن میں انسانی فکر و عقل کا بالکل دخل نہیں ہے۔ اور اس میں انسان کو واضح شریعت کی دی ہوئی ہدایات پر مکمل اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ البتہ ان کلیات کی روشنی میں فروعی مسائل کا استنباط کر سکتا ہے۔ علوم نقلیہ میں اس نے تفسیر، تجوید، حدیث، فقہ، میراث، اصول فقہ، کلام اور تصوف وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

ابن خلدون علوم کی ایک اور تقسیم کرتے ہوئے بتاتا ہے[۱۲] کہ معاشرہ میں مروجہ علوم کو دو انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک نوع تو ان علوم کی ہے جو مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ یعنی انسانی تعلیم و تعلم کا مدار ہی ان پر ہوتا ہے۔ جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، طبیعیات اور الاہیات وغیرہ۔ اور دوسری قسم میں وہ علوم داخل ہیں جن کا حاصل کرنا بذاتِ خود تو ضروری نہیں۔ لیکن وہ مقصود بالذات علوم کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے ان علومِ آلیہ پر ساری عمر ضائع نہیں کر دینی چاہیئے بلکہ انہیں اس حد تک سیکھنا چاہیئے جو ضرورت پوری کر سکیں۔

ان دونوں اقسامِ علوم میں قرآن مجید سرِ فہرست ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ علومِ اسلامیہ میں قرآن مجید کو جو مقام اور درجہ حاصل ہے وہ کسی بھی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی واحد محفوظ کتاب ہے جس کی تعلیم و تعلم کی تاکید کی گئی ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے اپنے نصابِ تعلیم میں اسے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض ممالک میں تو نصابِ تعلیم صرف قرآن مجید سے عبارت ہے۔ ابن خلدون قرآن مجید کی مروّجہ اصلاح طلب تعلیمی حالت کو یوں بیان کرتا ہے[۱۳] اہلِ مغرب اور بربر کے باشندے اپنے بچوں کو صرف قرآن مجید اور اس سے متعلقہ علوم مثلاً رسم الخط اور حاملین قرآن کی تعلیم دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی معلومات بڑی محدود ہوتی ہیں۔ وہ ملکہ سے بالکل

عاری ہوتے ہیں۔ وہ صرف قرآن مجید کے اسلوب نگارش سے مطلع ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ علوم عربیہ سے نابلد ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ عربی لکھ بھی نہیں سکتے۔ اندلس کے لوگ قرآن مجید، قوانین عربیہ، تجوید، رسم الخط اور کتابت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں چونکہ علوم عربیہ بچوں کو پڑھائے جاتے ہیں، لہذا وہ شعر و ادب کے بارے میں تو بلند مقام رکھتے ہیں لیکن دیگر علوم سے بالکل عاری ہیں اور ان کے ہاں ابتداً جو علوم رواج پا گئے ان پر خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا۔ گویا جمود کی سی کیفیت طاری ہے۔ افریقہ اور تونس کے لوگ قرآن مجید اور حدیث نبوی بیک وقت پڑھاتے ہیں۔ اختلاف روایت الفاظ قرآن اور مختلف قراءت کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور مشرقی باشندے قرآن مجید اور اس کے علوم کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ان کے ہاں کتابت قرآن مجید کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ اہل مشرق میں کتابت ایک مستقل فن ہے، جو دوسرے فنون کی طرح حاصل کیا جاتا ہے۔

ان تفاصیل کو بتانے کے بعد ابن خلدون مسلمان بچوں کے لئے اپنے مجوزہ نصاب تعلیم کا خاکہ اس طرح پیش کرتا ہے کہ سب سے پہلے بچے کو عربی زبان اور شعر کی تعلیم دی جائے۔ کیونکہ بچپن کی تعلیم کے نقوش بڑے گہرے ہوتے ہیں لہذا وہ عربی زبان پر مہارت حاصل کرے گا۔ اور اس زبان کو لکھنے پڑھنے کا بچوں کو ملکہ حاصل ہو جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ شعر جو عربوں کی معلومات کا دائرۃ المعارف ہے۔ اس سے واقف ہو کر بچہ پہلے عربوں کے قبل از اسلام علوم و فنون کی اصطلاحات، آداب معاشرت اور دیگر ضروری معلومات سے آگاہ ہو جائے گا، لہذا اسے قرآن مجید اور حدیث نبوی کی اصطلاحات اور ان کے اسرار و رموز سمجھنے میں آسانی ہو گی اور سب سے بڑھ کر یہ فائدہ ہو گا کہ طالب علم قرآن مجید اور حدیث کو جب پڑھے گا تو اس کا صحیح مفہوم اور منشاء سمجھ رہا ہو گا۔ اس کے بعد حساب کی تعلیم دی جائے۔ کیونکہ حساب کی تعلیم سے انسان کا ذہن و شعور ترقی کرتا اور اس کی عقل پروان چڑھتی ہے اس طرح سے جب انسان میں لسانی اور عقلی طور پر قرآن مجید کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تب قرآن مجید کی تعلیم کا آغاز کرنا چاہیئے۔

ابن خلدون کے مذکورہ بیان اور پھر اس کے اصلاحی اقدام اور قابل عمل تجویز کی روشنی میں جب ہم اپنے ملک کے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنے ملک میں قرآن مجید کی تعلیم پر نظر ڈالتے ہیں تو سخت افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں قرآن مجید کے الفاظ تو تیز گام پڑھ لئے جاتے ہیں لیکن اس کا

معفہوم یا پیغام بالکل نہیں سمجھا جاتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آئندہ نسل کو دین اسلام کی صحیح تعلیم دینے کے لئے ابن خلدون کے مجوزہ نصاب تعلیم کو جدید حالات کے تقاضوں میں اس طرح سمویا جائے کہ کہ ہمارے نوجوان ابتدا سے عربی زبان سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے اور اس میں غور و تدبر کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

ابن خلدون نے اپنے عہد کے مختلف ممالک کی مدت تعلیم پر بھی بحث کی ہے۔[14] اس نے بتایا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدت تعلیم سولہ سال تھی جو مغرب میں زیر عمل تھی۔ اور کم از کم مدتِ تعلیم پانچ سال تھی جو اہل تونس میں رائج تھی۔ لیکن ابن خلدون ان دونوں مدتوں کو افراط و تفریط پر مبنی قرار دیتا ہے۔ اور اگرچہ اس نے کسی بھی مدت کی تعیین نہیں کی تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی مدتِ تعلیم متعین کرنے کا قائل تھا جس میں انسان کو ملکہ حاصل ہو جائے لیکن اس بات کا ہرگز قائل نہیں کہ انسان عمر بھر صرف تعلیم ہی حاصل کئے چلا جائے اور دنیا کے دیگر مشاغل سے کنارہ کش رہے۔ وہ زیادہ کتابوں کے داخل نصاب کرنے اور مختلف قسم کی اصلاحات و فنون کی تعلم دینے کی پُر زور مخالفت کرتا ہے۔ اور اسے تعلیم کا سب سے زیادہ نقصان دہ[15] پہلو گردانتا ہے کہ طالب علم کو بہت سی کتب پڑھائی جائیں اور اس سے توقع کی جائے کہ وہ لاتعداد اصطلاحات زبانی یاد کرے اور طوطے کی طرح رٹنے کا عادی ہو جائے۔

ابن خلدون نصابی کتب کے بارے میں یہ بیان کرتا ہے کہ بعض اساتذہ طالب علموں کو متون ان کی شروح اور شروح در شروح کی تعلیم دیتے ہیں اور بعض اساتذہ محض ایسے متون پڑھاتے ہیں، جو نہ صرف ضرورت سے زیادہ مختصر ہوتے ہیں، بلکہ مُغلق بھی ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کی ترغیب ہرگز نہیں دیتا کہ طویل کتب داخل نصاب ہوں بلکہ اس کا نظریہ[16] یہ ہے کہ طالب علموں کی استعداد کے مطابق نصاب تدریجی مرتب کیا جائے اور آغاز میں آسان کتب پڑھائی جائیں پھر تدریجاً مشکل کی طرف رہنمائی کی جائے۔ لیکن اس بات کو ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ نصاب میں ایسی کتب ہرگز داخل نہ کی جائیں جن کو پڑھتے وقت متعلمین عبارت میں الجھ کر رہ جائیں اور اصل مسائل کو سمجھ ہی نہ سکیں۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں نصاب تعلیم پر بحث کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی لکھی[17] ہے کہ ایک وقت میں طالب علم کو ایک ہی مضمون پڑھایا جائے اور کسی حال میں بھی بیک وقت کئی مضامین

کی تعلیم نہ دی جائے۔ اس کا خیال ہے کہ اس طرح طالب علم کسی بھی علم پر مہارت حاصل نہ کر پائے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ علم سے متنفر ہی ہو جائے۔ ہم ابن خلدون کے اس نظریہ کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ طالب علم کا ذہنی رجحان معلوم کر کے اس کے مطابق متعلقہ علوم و فنون میں سے کسی ایک کی تعلیم دینے کا قائل ہے جسے ہم آجکل "تخصص" کہتے ہیں۔

ابن خلدون نے ذریعہ تعلیم قومی زبان کو قرار دیا ہے۔ اور چونکہ اُس وقت کی بیشتر اسلامی دنیا میں عربی رائج تھی اس لئے وہ عربی زبان میں ملکہ حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ حضری زبان کے عنوان سے مختلف فصول میں طویل بحث کرتے ہوئے عربی زبان کا ملکہ حاصل کرنے کے لئے وہ ضروری قرار دیتا ہے کہ پہلے نحو سیکھی جائے۔ اور کلام عرب پر عبور حاصل کیا جائے اور پھر اس کے ذریعے سے ہی علوم و فنون سیکھے جائیں۔

الغرض ابن خلدون نے آج سے صدیوں قبل عملی طور پر بتا دیا تھا کہ کوئی بھی قوم اس وقت تک تعلیم و تعلم میں اپنا بلند مقام حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ ذریعۂ تعلیم قومی زبان کو نہ بنائے۔

ملاحظات

لے الکتاب الاوّل فی العمران و ذکر ما یعرض فیہ من العوارض الذاتیۃ من الملک والسلطان والکسب والمعاش والصنائعَ والعلوم وماذلک من العلل والاسباب

مقدمہ ابن خلدون۔ طبع قاھرہ ۱۳۱۸ھ ص ۶

مقدمہ ابن خلدون کے نام سے جو کتاب مشہور ہے، وہ ابن خلدون کی تاریخ عالم یعنی کتاب العبر . . . کے پہلے حصہ ہی کا نام ہے جو ملک، بادشاہ، کاروبار، معاشیات، صنعتوں اور علوم و فنون پر مشتمل ہے۔

لے ۲ لایحاول ابن خلدون تعریف التربیۃ ولا التعلیم بل یتکلم عن ذلک کانّہ یتکلم عن امور معلومۃ فلا تحتاج الی تعریف۔

ساطع الحصری دراسات عن مقدمہ ابن خلدون طبع مصر ۱۹۵۳ء، ص ۴۴۰۔

۳؎ مقدمہ کے چھٹے باب میں ابن خلدون نے ایک فصل کا عنوان یوں قائم کیا ہے :

ان التعلیم للعلم من جملۃ الصنائع ۔ مقدمہ ص ۴۳۰

اس فصل میں وہ حصولِ علم کو دیگر صنعتوں کی طرح اکتسابی قرار دیتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے ۔ کہ دوسری صنعتوں کی طرح انسان تعلیم میں بھی محنت سے اضافہ کر سکتا ہے ۔

۴؎ اعلم ان الصناعۃ ھی ملکۃ فی امر علمی فکری ھو جسمانی محسوس ۔ مقدمہ ص ۴۰۰

۵؎ اس کی ایک مثال مقدمہ کے چھٹے باب میں ایک فصل کے عنوان سے عیاں ہوتی ہے ۔ عنوان ہے ۔

فی ان العلوم انما تکثر حیث یکثر العمران و تعظم الحضارۃ ۔

اس فصل کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم بھی دیگر صنعتوں کی طرح معاشی ضروریات سے ایک زائد امر ہے اور عوام جب معاشی ضروریات سے فارغ ہوں تبھی اس طرف توجہ کر سکتے ہیں ۔

۶؎ ملاحظہ مقدمہ کی فصل لعنوان فی ان اھل الامصار علی الاطلاق قاصرون فی تحصیل ھذہ الملکۃ اللسانیہ التی تستفاد بالتعلیم و من کان منھم ابعد عن اللسان العربی کان حصولھا له اصعب واعسر ۔

۷؎ و ھذہ الملکۃ غیر الفھم والوعی ۔ مقدمہ ص ۴۳۰

۸؎ والسبب فی ذلک ان البشر یاخذون معارفھم و اخلاقھم و ماینتحلون به من المذاھب والفضائل تارۃً علما و تعلیما و القاء و تارۃ محاکاۃ و تلقیاً بالمباشرۃ و الا ان حصول الملکات عن المباشرۃ و التلقین اشدّ استحکاماً واقوی رسوخاً ۔

۹؎ ملاحظہ ہو چھٹے باب کی فصل لعنوان فی ان الشدۃ علی المتعلمین مضرۃ بھم ۔ مقدمہ ص ۵۴۰

۱۰؎ وقد قال محمد بن ابی زید فی کتابه الذی الفه فی حکم المعلمین والمتعلمین لا ینبغی لمؤدب الصبیان ان یزید فی ضربھم اذا احتاجوا علی ثلاثۃ اسواط شیئاً ۔ مقدمہ ص ۵۴۰

۱۱؎ اعلم انّ العلوم التی یخوض فیھا البشر و یتداولونھا فی الامصار تحصیلاً و تعلیماً ھی علی صنفین صنف طبیعی للانسان یھتدی الیه بفکرہ و صنف نقلی یأخذہ عمن وضعه ۔ مقدمہ ص ۴۳۵

۱۲ اعلمات العلوم المتعارفة بين اهل العمران على صنفين علوم مقصودة بالذات كاشرعيات من التفسير والحديث والفقه وعلم الكلام وكالطبيعيّات والالهيات من الفلسفة وعلوم هى آلية لهذه العلوم كالعربية والحساب وغيرهما للشرعيات كالمنطق للفلسفة، ص ۵۳۶-۵۳۷ - مقدمه ابن خلدون۔

۱۳ ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون چھٹا باب فصل بعنوان فى تعليم الولدان واختلاف مذاهب الامصار الاسلامية فى طرقه۔ ص ۵۳۷ تا ۵۴۰۔

۱۴ ملاحظہ ہو فصل فى ان التعليم للعلم من جملة الصنائع۔ مقدمہ ص ۴۳۲

۱۵ اعلم أنّه مما اضرّ بالناس فى تحصيل العلم والوقوف على غايته كثرة التآليف واختلاف الاصطلاحات فى التعليم و تعدد طرقها - مقدمہ ص ۵۳۱

۱۶ اعلم ان تلقين العلوم للمتعلمين انما يكون مفيدا اذا كان على التدريج شيئاً فشيئاً قليلا قليلا - مقدمہ ص ۵۳۳

۱۷ ومن المذاهب الجميلة والطرق الواجبة فى التعليم ان لا يختلط على المتعلم علمان معاً فإنه حينئذٍ قلّ ان يظفر بواحد منهما۔ مقدمہ ص ۵۳۴